© rasailojaraid.com

اداء رسالتہ لیحفظ ما ینزلہ الیہم من الوحی لیعلم ان قد ابلغوا رسالات ربہم (ابن کثیر ج ۴ ص ۴۳۳)

حفاظت کرتا ہے تاکہ انبیاء اللہ کے پیغامات کو پہنچانے پر کما حقہ قادر ہو سکیں، اور ساتھ ہی وہ اس چیز کی بھی حفاظت کرتا ہے جو انبیاء پر نازل فرماتا ہے اور ان تمام نگرانیوں کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو جائے کہ انھوں نے اس کے پیغامات پہنچا دیے۔

یسلک من بین یدیہ کے نیچے لکھتے ہیں

ای یخصہ بمزید معقبات من الملائکۃ یحفظونہ من امر اللہ ویساوقونہ علی ما معہ من وحی اللہ (ایضاً)

کہ اللہ تعالیٰ مخصوص فرشتوں کے ذریعہ پے در پے اس کو محفوظ رکھتا ہے کہ جو امر اللہ اور وحی اس کے ساتھ ہے وہ محفوظ رہ سکے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں جہاں امرأۃ العزیز کے بہلانے کا تذکرہ ہے، اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ امرأۃ العزیز کے دل میں حضرت یوسف علیہ السلام کا خیال جم چکا تھا، لقد ھمّت بہ، ادھر یوسف علیہ السلام بھی امر طبعی کے درجہ میں کچھ کچھ سوچنے لگے تھے، کہ اتنے میں اللہ کی دلیل (عصمت) آکھڑی ہوئی، اور یہ بالکل محفوظ ہو گئے، یہاں پہنچ کر بطور احسان اللہ تعالیٰ نے فرمایا

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ (یوسف - ۳)

ہم نے اسی طرح ان کو علم دیا تاکہ ہم ان سے صغیرہ و کبیرہ گناہ دور رکھیں، وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھے۔

اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو ہر طرح کے صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے مصئون و محفوظ رکھتے ہیں، جس کا نام عصمت ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو معصوم رکھتا ہے جو اس کے مخلص بندے ہوتے ہیں حیث عِبَادَنَا الْمُخْلَصِيْنَ ، وہ خواہ یوسف علیہ السلام ہوں، یا دوسرے انبیار، قرآن پاک میں "مخلص" کا لفظ انبیار علیہم السلام کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

ایک دوسری آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ "مخلصین" پر شیطان کا کوئی داؤ نہیں چلتا، یہ تو آپ جانتے ہیں کہ شر اور گناہ کے کام کی دعوت شیطان کی ہی طرف سے ہوتی ہے، اور قرآن کا اعلان ہے کہ شیطان خدا کے "مخلص" بندوں پہ اپنے داؤ پیچ آزمانے کی سعی نہیں کر سکتا، خود شیطان نے کہا تھا جس کی حکایت قرآن میں ہے۔

فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِيْنَ	تری عزت کی قسم کہ میں ان سب کو گمراہ کروں گا
إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ (ص-٥)	بجز آپ کے ان بندوں کے جو ان میں منتخب کئے گئے ہیں

پس معلوم ہوا کہ انبیار معصوم ہوتے ہیں قرآن میں ایک دوسرے موقع سے رب العزت نے انبیار کے متعلق فرمایا ہے کہ اُن پر شیطان کا کوئی تسلط نہیں ہوتا ارشاد ہے۔

إِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ	بلا شبہ مرے بندوں پر تجھ کو تسلط حاصل نہیں ہے

حدیث میں بھی آیا ہے کہ شیطان خون کی طرح انسان میں دوڑتا ہے، مگر نبی و رسول کے باب میں وہ مطیع کر دیا گیا، یہاں اس کی کچھ نہیں چلتی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يجري من احد كم	شیطان تم میں سے ہر ایک کی رگ میں خون کی
مجرى الدم قلنا ومنك يا رسول الله	طرح دوڑتا ہے ہم نے کہا یا رسول اللہ اور آپ کے
قال ومنّي ولكن الله اعانني عليه	بھی، فرمایا مجھ میں بھی لیکن اللہ نے مری اعانت
فاسلم رواه الترمذی (باب مشكوة النظر الى المخطوبه)	فرمائی جس کی وجہ سے وہ اطاعت گذار ہو گیا۔

(باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قائدین کی تربیت اور اوصاف وخصائص

از

(جناب مولانا محمد تقی صاحب امینی مدرسہ معینیہ درگاہ شریف اجمیر)

"قائدین" روحوں اور دلوں کی بستیاں اُلٹ کر ان میں ایمان واعتقاد کی قوت بھرتے ہیں۔ عقائد وافکار میں انقلاب برپا کر کے فکر وعمل کی نئی دنیا بساتے ہیں۔ ذہنی واخلاقی استعداد کی تربیت کر کے ایسا ذہن واخلاق بناتے ہیں کہ قوم کے افراد اختلافِ طبائع کے باوجود قومی اور جماعتی کاموں میں یک نگاہ وعمل دکھائی دینے لگتے ہیں۔ اس بنا پر یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ قائدین ہی دراصل قوم کی روح اور جان ہوتے ہیں انھیں کے ہاتھوں قوم کی بنیاد رکھی جاتی ہے اس کی تنظیم وتشکیل ہوتی ہے اور پھر وہ عروج وبقاء کی منزلیں طے کرتی ہے یہ واقعہ اور مشاہدہ ہے کہ قوم کو جب تک صحیح قیادت نہ میسر ہو اس وقت تک نہ اس کی صحیح تنظیم وتربیت ہو پاتی ہے اور نہ ہی کوئی جد وجہد برگ وبار لا سکتی ہے۔ گاڑی کے چلانے کے لئے جب تک تجربہ کار ڈرائیور نہ ہو اس وقت تک نہ اسٹیم (جذبات) کی طاقت منزلِ مقصود پر پہنچا سکتی ہے اور نہ لائن (فضاء) کی درستی وہمواری۔

مناسب ہے کہ "زوال کے بنیادی اسباب" سے پہلے قائدین کے اوصاف وخصائص کا اجمالی تذکرہ کر دیا جائے۔

قرآنِ حکیم نے اس سلسلہ میں انبیاء کرام کی زندگی کا جو نقشہ پیش کیا ہے وہ اپنی معنویت کے لحاظ سے مکمل وجامع اور قیادت کے نہایت اونچے مرتبہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے یہاں ہم چند ان بنیادی باتوں کے بیان پر اکتفار کریں گے جن کا قائدین میں پایا جانا ضروری ہے اور جن کے بغیر کوئی قائد حقیقی معنوں میں قائد کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا ہے[1]

---

[1] ظاہر ہے کہ قائدین سے آج کل کے سیاسی لیڈر مراد نہیں ہیں بلکہ وہ ہیں جو قوم میں نئی روح پھونکتے ہیں، نئی جان ڈالتے ہیں اور پھر نئی زندگی اور نئے دور کے بانی قرار پاتے ہیں۔ (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ بنیادی باتیں چھ ہیں۔

(۱) تربیت۔ (۲) صلاحیت۔ (۳) فنائیت۔ (۴) عملیت۔ (۵) اخلاقیت اور (۶) قوتِ استدلال وبیان۔ ان میں سے ہر ایک کی بالترتیب تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) پہلی تربیت ہے۔

تربیت کی دو صورتیں کسی قائد کی قیادت میں تربیت پائی ہو اور یا قدرتی طور پر اس کی تربیت ہوئی ہو

اس کی دو صورتیں ہیں (۱) کسی قائد کی قیادت میں رہ کر حالات کے نشیب و فراز اور قومی مزاج سے اچھی طرح واقفیت حاصل کی ہو۔ اس کی رہنمائی میں کام کر کے موقع کے لحاظ سے بعض جذبات کو دبانے اور بعض کو بروئے کار لانے کی ٹریننگ پائی ہو۔ سطح سے ہٹ کر گہرائی پر نظر ڈالنے اور تقلید و جمود کی جگہ تنقیدی شعور سے کام لینے کی مشق کی ہو ماضی کی عظمتوں سے محض عقیدت رکھنے کے بجائے ان کی محرکات اور روح کو سمجھا ہو۔ حال کی پرفریب امیدوں میں گم ہونے کے بجائے ڈوبتی کشتی کو پار لگانے کا انداز سیکھا ہو غرض اس طرح اس کی تربیت ہوئی ہو کہ ہر موقف اور ہر موڑ کو سمجھ کر صحیح راہِ عمل تلاش کرسکتا ہو۔

(۲) قائد کی قیادت تو نہ میسر آئی ہو لیکن زندگی کے حالات کچھ اس قدر مختلف گذرے ہوں کہ زمانہ خود معلم بن گیا ہو۔ گردوپیش کے ماحول نے غور و فکر کی نئی نئی راہیں پیدا کی ہوں اور ان میں قطع و برید کر کے قومی مزاج اور اس کی ضروریات کو سمجھنے میں کامیاب ہوگیا ہو۔ مختلف المزاج لوگوں کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ویسے اجتماعیین نے لیڈروں کے اعمال وخصائص پر کافی بحثیں کی ہیں یہاں ہم ان کی تفصیل سے اس بنا پر گریز کر رہے ہیں کہ قرآن حکیم نے جس باریک بینی اور دقیقہ رسی سے کام لے کر اس بحث کو بلندی پر پہنچایا ہے ان کے یہاں اس کا پتہ نہیں چلتا ہے پھر دونوں کے زاویۂ نگاہ میں بنیادی فرق موجود ہے، قرآن حکیم جس نظر سے سماجی زندگی کو دیکھتا ہے اور اس کے مسائل حل کرتا ہے ظاہر ہے کہ وہ نظر نہ ان کے پاس ہو سکتی ہے اور نہ ہے۔

اس کے علاوہ قرآن حکیم نے قیادت کے لئے انبیاء کرام کی زندگی کو بطور نمونہ پیش کیا ہے اور اجتماعیین نے انقلاب لانے والے لیڈروں کو زیادہ اہمیت دی ہے، دونوں کے انقلاب کی نوعیت اور اس لحاظ سے دونوں کی زندگیوں میں بڑا فرق ہے ان تمام باتوں کے باوجود ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ انھوں نے کافی معلومات اور کافی ثبوت فراہم کئے ہیں جن سے ہم عہدہ برآ نہیں ہو سکتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ معاملت نے زندگی میں اس قدر ہمواری پیدا کردی ہو کہ ضبط و تحمل کے ساتھ ہر مکتب خیال کے لوگوں کو ایک مرکز پر جمع کرسکتا ہو یعنی قدرتی طور پر اس کی ایسی تربیت ہوئی ہو کہ ذہن و دماغ کا ایک خاص سانچہ، اخلاق و عمل کا ایک خاص نقشہ، احوال و ظروف کا ایک خاص اندازہ اس کے سامنے آگیا ہو۔

انبیاء کرام کی زندگی میں دونوں کی مثالیں ملتی ہیں

ان دونوں صورتوں کی مثالیں انبیاء کرامؑ کی زندگی میں بکثرت ملتی ہیں بعض کی تربیت کسی دوسرے نبی کے پاس کی گئی تھی مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت شعیبؑ کے پاس مدین بھیجا گیا اور وہاں بکریاں چرانے کی ڈیوٹی سپرد کی گئی اور بعض کی حالات و مقامات کی مناسبت سے قدرتی طور پر کی گئی تھی مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کو جن حالات سے دوچار ہونا پڑا اور جس قدر کڑی آزمائشوں سے گذارا گیا غور سے دیکھا جائے تو یہ سب ایک خاص مقام تک پہنچانے کی استعداد پیدا کرنے کے لئے تھا۔

اسی طرح بالعموم نبیوں کا ان حالات سے دوچار ہونا جو عام لوگوں کو نہیں پیش آتے ہیں عمر کا کافی حصہ گذرنے کے بعد نبوت کے عہدہ سے سرفراز کیا جانا ہر نبی کے ذمہ بکریاں چرانے کی ڈیوٹی سپرد ہونا[1] حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کتاب ملنے سے پہلے روزہ کی حالت میں کوہِ طور پر رہنا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا روزہ رکھ کر ایک سنسان جنگل میں رہنا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی و امی) کا نبوت سے پہلے غارِ حرا میں مہینوں عزلت گزیں رہنا اور وہاں فکر و مراقبہ اور عبادت و ریاضت میں مصروف رہنا وغیرہ یہ سب دراصل تربیت کے لئے تھا۔

یہاں اس شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ نبوت کیسی شے ہے جس تک انسان تربیت کے ذریعہ پہنچ سکتا ہے وہ یقیناً وہبی شی ہے جس میں انسان کے قصد و ارادہ اور سعی و عمل کو کوئی دخل نہیں ہے

---

[1] بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ سے پوچھا گیا:۔

اکنت ترعی الغنم قال نعم وھل من نبی الا رعاھا (مشکوٰۃ کتاب الاطعمہ)

کیا آپ نبوت ملنے سے پہلے بکریاں چرایا کرتے تھے فرمایا "ہاں" اور کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔

جو لوگ بکریوں کی "نفسیات" سے واقف ہیں وہ اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ بکریوں کے چرانے میں جذبات کی کیسی تربیت ہوتی ہے؟ نیز قیادت قوم کی تربیت کے لئے رعایت شاۃ کس قدر موزوں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

البتہ منشاء نبوت کے مطابق یہ ضروری سمجھا گیا کہ وحی کی استعداد پیدا کرنے کے لئے اور اس کو عملی شکل میں متشکل کرنے کے لئے مختلف قسم کے ریاضات و مجاہدات کے ذریعہ نبی کی تربیت کی جائے۔

قرآن حکیم میں تربیت کا ثبوت | تربیت کے سلسلہ میں درج ذیل آیت خاص اہمیت رکھتی ہے۔

وفتناك فتونا فلبثت سنين في اهل مدين ثم جئت على قدر يموسى واصطنعتك لنفسي $\frac{20}{41}$

اے موسیٰ۔ ہم نے تمھیں ہر طرح کی حالتوں میں ڈال کر آزمایا پھر کئی برس تک تم مدین کے لوگوں میں رہے بالآخر وہ وقت آگیا کہ تم ایک مقررہ انداز پر پورے اتر آئے اس طرح ہم نے تمہیں اپنے لئے (اپنے خاص کام کے لئے) بنایا اور تیار کیا ہے۔

"علی قدر" سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قیادتِ قوم کے لئے خاص سانچہ اور اندازہ کے مطابق بننا پڑتا ہے جب کہیں جا کر لیاقت پیدا ہوتی ہے اور قدرت کی جانب سے انتخاب ہوتا ہے۔[1]

دوسری آیت یہ ہے جس سے مذکورہ مفہوم کی اشارۃً تائید ہوتی ہے۔

قل لو شاء الله ما تلوته عليكم ولا ادرىكم به فقد لبثت فيكم عمرا من قبله افلا تعقلون $\frac{16}{17}$

آپ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں قرآن تمہیں سناتا ہی نہیں اور تمھیں اس سے خبردار ہی نہ کرتا پھر یہ واقعہ ہے کہ میں اس معاملہ سے پہلے تم لوگوں کے اندر ایک پوری عمر بسر کر چکا ہوں کیا تم سمجھتے بوجھتے نہیں؟

علمائے اخلاق و نفسیات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انسان کے ابتدائی چالیس سال کا زمانہ اخلاق و خصائل کے بننے اور ابھرنے کا زمانہ ہوتا ہے اور جذبات کے ماہرین کا خیال ہے کہ انسانی دماغ

---

[1] مفسرین نے "علی قدر" کے یہ معنی بیان کئے ہیں

قدر نالك سبيل المعرفة ووقتها فجئت على ذلك القدر (تفسیر عرائس البیان ج ۲ ص ۳)

اندازہ کیا ہم نے تیرے واسطے معرفت کے راستہ اور اس کے وقت کا پس تو اس اندازہ کے مطابق پورا اترا

على حد من الكمال المقدر بحسب استعدادك (تفسیر محی الدین ابن عربی ج ۲ ص ۳۶)

اپنی استعداد کے مطابق کمالِ مقدر کی حد پر تو پہنچ گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا نشوونما چالیس سال کی عمر میں تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال تک لوگوں میں رہے اس عرصہ میں خاص سانچہ کے مطابق آپ کی تربیت ہوئی اور خاص اندازہ کے مطابق اعمال واخلاق ڈھلے پھر کہیں جاکر بنوت کا اعلان ہوا۔

دوسری صلاحیت ہے۔

قائدین میں صلاحیت کام اور مقام کی مناسبت سے ہونی چاہیئے

قائدین میں صلاحیت ان کے کام اور مقام کی مناسبت سے ہونی چاہیئے وہ دراصل روح اور دل کے طبیب ہوتے ہیں ان کا کام طبیعت کی اصلاح ودرستی ہے مزاج اور ذہنیت کو بدلنا ہے۔ اس بنا پر ان میں ایسی صلاحیت درکار ہے کہ مرض کی صحیح تشخیص کرکے اس کا صحیح علاج تجویز کرسکیں، قومی مزاج اور وقت کی اہم ضروریات کو سمجھ کر اصلاح وانقلاب کا بیڑا اٹھا سکیں۔

جس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ طبیب کے پاس ایک ہی مرض کے دو مریض آتے ہیں ایک کے لئے وہ سرد دوا اور گرم غذا تجویز کرتا ہے اور دوسرے کے لئے گرم دوا اور گرم غذا۔ مقصد ایک ہے وہ یہ کہ طبیعت میں قوتِ مدافعت پیدا کرکے مرض کو دور کرنا لیکن مزاج کے اختلاف کی بنا پر دوا اور غذا کی تشخیص وتجویز میں اختلاف ہوتا ہے۔

بعینہٖ یہی صورت قائدین کی سمجھنا چاہیئے جس طرح فرد وافراد کے مزاج میں یکسانیت نہیں ہوتی ہے اسی طرح قوم واقوام کے مزاج میں بھی یکسانیت نہیں پائی جاتی ہے۔ (کیوں کہ مزاج بنانے والے مؤثرات ومحرکات ہر قوم میں کسی نہ کسی حد تک مختلف ہوتے ہیں[2]۔) اور جس طرح

---

[1] فلسفۂ جذبات ص۲۶ [2] خاندان، جغرافیانہ ماحول، آب وہوا، رسم ورواج، عادات واطوار وغیرہ مزاج بنانے میں سب دخل رکھتے ہیں، اصل یہ ہے کہ نفس کی اثر پذیری کا معاملہ بڑا نازک اور نہایت لطیف ہے، انسان شعوری وغیر شعوری طور پر کن کن چیزوں سے اور کس کس طرح متاثر ہوتا رہتا ہے اس کا ٹھیک ٹھیک پتہ لگانا بہت دشوار ہے نفسیین اور اجتماعین نے اس سلسلہ میں کافی پیش رفت کی ہے اس کے باوجود ابھی انھیں بہت کچھ کرنا باقی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختلاف مزاج کی بنا پر گرمی و سردی کا لحاظ افراد میں کیا جاتا ہے اسی طرح اقوام و جماعات میں بھی کرنا لازمی ہے اس کے بغیر کوئی تحریک کامیاب نہیں ہو سکتی ہے انبیاء علیہم السلام کا شرائع اور منہاج میں جو اختلاف نظر آتا ہے اس کی بنیادی وجہ یہی قومی مزاج کا اختلاف ہے کیوں کہ ہر ملک اور ہر عہد کے حالات مختلف ہوتے ہیں جس کی بنا پر ہر قوم کا مخصوص مزاج بنتا ہے اور اس کی رعایت ضروری سمجھی جاتی ہے۔ درج ذیل آیت میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے:۔

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ہر امت کے لئے ہم نے الگ الگ شریعت اور راستہ بنایا۔ ۵/۹

یہ اصل کا اختلاف نہیں ہے فرع کا ہے حقیقت کا نہیں ہے ظاہری شکل و صورت کا ہے اس کی حیثیت وہی ہے جو انسان کے معاشرتی اور طبعی اختلاف کی ہوتی ہے۔[1]

اسی بنا پر مبصرین نے رسول اللہؐ کے اعمال و افعال کی دو قسمیں کی ہیں (۱) وہ کہ آپ نے بطور عادت کئے ہیں۔ (۲) وہ کہ آپ نے بطور عبادت کئے ہیں۔ پہلی قسم کو قانونی حیثیت حاصل نہیں ہے ان کی صرف روح کو سمجھنا کافی ہے۔ دوسری قسم کو قانونی حیثیت حاصل ہے اور ہر جزئیہ و کلیہ پر عمل کرنا ضروری ہے۔[2]

قومی مزاج اور حالات کے پیشِ نظر قائدین کو رفتہ رفتہ قدم اٹھانے کی ضرورت ہے	اور اسی بنا پر قائدین کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ عارضی طور پر قوم کو ان مباح اور جائز باتوں سے روک دے جو غلط استعمال کی وجہ سے برائیوں کا ذریعہ بن گئی ہوں۔

اس اصول کا ثبوت درجِ ذیل آیت سے ہوتا ہے

---

[1] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحؒ نے اس موضوع پر نہایت نفیس بحث کی ہے اور خاص انداز سے سمجھانے کی کوشش کی ہے ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۸۵ تا ۹۱ و ۱۲۱ اور الفوز الکبیر ص ۸ [2] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۲۷ [3] اس کا ثبوت رسول اللہ کی زندگی میں کئی طریقوں سے ملتا ہے مثلاً آپ نے کچھ دنوں کے لئے شراب کے برتنوں کے استعمال سے روک دیا تھا اور عورتوں کو زیارت قبور سے منع فرما دیا تھا وغیرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ طَیِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَ بِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَثِیْرًا ۙ ۶/۱۵۹	یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے کئی ایک اچھی چیزیں ان پر حرام کر دیں جو (پہلے) ان کے لئے حلال تھیں اور نیز اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہت روکنے لگے تھے۔

غور سے دیکھا جائے تو یہ اصول سماجی زندگی کی اصلاح کے سلسلہ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اور جدید دنیا کے پیدا کئے ہوئے کئی مسائل اس کے ذریعہ حل کئے جا سکتے ہیں۔

اسی طرح قائدین کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ ابتدا میں ان باتوں سے اعراض و چشم پوشی کریں جو عوامی زندگی میں انتشار و افتراق کا سبب بنیں یا ان کی وجہ سے سماجی زندگی کے مختل ہونے کا اندیشہ ہو۔ اور ابتدائی دعوت صرف انھیں باتوں کی طرف ہو جو سب میں مشترک ہوں۔ حطیم خانۂ کعبہ کا ایک حصہ تھا اور کعبہ سے علیحدہ تھا اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کعبہ کے ساتھ شامل کرنے کا حکم نہیں دیا اور اس کی وجہ یہ فرمائی کہ

لو لا حداثة عهد قومك بالله لنقضت الكعبة و لجعلتها على اساس ابراهيم[1]	اگر تیری قوم نئی نئی کفر سے اسلام کی طرف نہ آئی ہوتی تو میں کعبہ کو توڑ کر اساس ابراہیم پر اس کی تعمیر کراتا۔

---

[1] اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ کسی قوم کا رسم و رواج جو صدیوں سے چلا آرہا ہو دفعتہً نہیں مٹایا جا سکتا بلکہ آہستہ آہستہ رفتہ رفتہ اس میں اصلاح ہوتی ہے غلامی کا رواج مدتوں سے چلا آرہا تھا اور انسانوں کا ایک بڑا طبقہ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھا اسلامی تعلیمات نے اس رسم کے دور کرنے کی پوری پوری کوشش کی خلفاء راشدین نے اس کوشش کو آخری حد تک لے جانے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا لیکن بعد کی سلطنتوں نے اس تعلیم کی غایت کو نظر انداز کر دیا اور بعض ناجائز خواہشات کی طرح غلامی کا سلسلہ بھی قایم رہا اگرچہ غلامی کی نوعیت میں بہت کچھ تبدیلی ہو گئی۔

یہاں اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ کسی نظامِ فکر و عمل پر تحقیقی نظر ڈالنے کے لئے مقامی وعہدی حالات کا جائزہ لینا نہایت ضروری ہے اس کے بغیر نہ وہ نظام سمجھ میں آسکتا ہے اور نہ ہی اس کا انقلابی کارنامہ۔ ہوتا یہ ہے کہ آج کے دماغ اور آج کی فضاء کو سامنے رکھ کر ہزاروں سال پہلے کے اجتماعی اور سماجی اصلاح کے مسائل پر تنقیدیں شروع کر دی جاتی ہیں نہ اُس وقت کے حالات کا پتہ ہوتا ہے اور نہ مزاج کا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(اساسِ ابراہیم میں حطیم خانہ کعبہ میں شامل تھا بعد میں جب اس کی تعمیر ہوئی تو خرچ کی کمی کی وجہ سے الگ کر دیا گیا تھا) نووی شارح مسلم نے اس حدیث سے چند مسائل نکالے ہیں۔ (۱) بڑی چیز کی خاطر چھوٹی چیزوں کو قربان کر دینا چاہیئے۔

(۲) تالیفِ قلب کا حتی الامکان خیال رکھنا چاہیئے۔

(۳) کسی ایسی چیز سے تعرض نہ کرنا چاہیئے جو زیادہ اہم نہ ہو لیکن قومی رغبت کی بنا پر اس کی وجہ سے نفرت کا اندیشہ ہو[۱]

قرآنِ حکیم میں رسول اللہ کی دعوت یہ مذکور ہے۔

یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم[۳] — اے اہل کتاب تم اختلاف و نزاع کو چھوڑ کر اس بات کی طرف آ جاؤ جو سب میں مشترک ہے۔

غلامی اسلامی مزاج کے خلاف ہے جن لوگوں نے اسلامی معاشرہ کا تحقیق و بصیرت کی روشنی میں مطالعہ کیا ہے وہ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ اسلام ایک لمحہ کے لئے اس کو برداشت کرنے کے واسطے تیار نہیں اس کے باوجود رسول اللہ نے ابتدا میں رواجِ غلامی کے منسوخ ہونے کا حکم نہیں صادر فرمایا اگرچہ ضمنی طور پر خاتمہ کی بہت سی شکلیں بتائیں۔ اور غلاموں کو اتنا زیادہ بلند کر دیا کہ غلامی آقائی میں تبدیل ہو گئی۔

اگر رسول اللہ ابتدا میں منسوخ فرما دیتے تو سماجی زندگی مختل ہو جاتی اور انسانوں کا ایک بڑا طبقہ کیڑے مکوڑوں کی طرح زندگی گذارنے پر مجبور ہو جاتا۔ نہ کھانے پینے کا کوئی سہارا ہوتا اور نہ رہنے سہنے کا کوئی بندوبست[۲]

قرآنِ حکیم میں قائدین کی صلاحیت کا تذکرہ اور لفظ حکم کی تشریح

حاصل یہ کہ قائدین میں ایسی صلاحیت ہونی چاہیئے کہ بدلے ہوئے حالات کے نشیب و فراز اور قومی مزاج کو سمجھ کر اپنا مقام متعین کر سکیں اور صحیح راہ عمل تلاش کر کے تحریک کو آگے لے جا سکیں۔

---

[۱] مسلم ج ا ص ۴۲۹ [۲] نووی ج ا ص ۴۲۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن حکیم نے اس قسم کی صلاحیت کو تین لفظوں سے ادا کیا ہے (۱) حکم (۲) حکمت اور (۳) علم تاویل الاحادیث۔ محل اور موقف کے لحاظ سے ان تینوں کے مختلف درجے اور مرتبے ہیں انبیاء علیہم السلام میں یہ تینوں کامل ترین اور اعلیٰ ترین درجہ پر پائے جاتے ہیں اور قائدین میں اُس سے کمتر درجہ پر۔ ائمہ لغت اور مفسرین کی تصریحات کے مطابق ہر ایک کی تشریح حسب ذیل ہے۔

(۱) حکم۔ قرآن حکیم میں ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ

کسی انسان کو یہ بات سزاوار نہیں کہ اللہ اسے کتاب حکم اور نبوت عطا فرمائے اور پھر اس کا شیوہ یہ ہو کہ لوگوں سے کہے خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ بلکہ چاہیے کہ ربانی انسان بنو

امام راغب اصفہانی کہتے ہیں۔

والحکم بالشیٔ ان تقضی بالشیٔ بانہ کذا او لیس کذا سواء الزمت ذلک غیرہ او لم تلزمہ[۱]

کسی شی پر حکم کرنے کا مطلب یہ فیصلہ کرنا ہے کہ یہ شی ایسی ہے یا ایسی نہیں ہے اس سے بحث نہیں کہ دوسرے کو اس فیصلہ کا پابند کر سکو یا نہ کر سکو۔

عربی لغت کی مشہور کتاب لسان العرب میں ہے

الحکم العلم والفقہ والقضاء بالعدل[۲]

حکم کے معنی علم۔ سمجھ بوجھ اور منصفانہ فیصلہ کرنا۔

مفسرین نے حکم کی تفسیر۔ سمجھ بوجھ قوتِ فیصلہ حکمت وغیرہ الفاظ سے کی ہے[۳]۔ آیت

---

[۱] مفردات القرآن ص ۱۲۶ [۲] لسان العرب ج ۱۵ از سیرۃ النبی ج ۴ [۳] ملاحظہ ہو تفسیر خازن و مدارک و حسینی و جلالین وغیرہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ر داساسِ ابراہیم میں حطیم خانۂ کعبہ میں شامل تھا بعد میں جب اس کی تعمیر ہوئی تو خرچ کی کمی کی وجہ سے الگ کر دیا گیا تھا) نووی شارح مسلم نے اس حدیث سے چند مسائل نکالے ہیں۔ (۱) بڑی چیز کی خاطر چھوٹی چیزوں کو قربان کر دینا چاہیئے۔

(۲) تالیفِ قلب کا حتی الامکان خیال رکھنا چاہیئے۔

(۳) کسی ایسی چیز سے تعرض نہ کرنا چاہیئے جو زیادہ اہم نہ ہو لیکن قومی رغبت کی بناء پر اس کی وجہ سے نفرت کا اندیشہ ہو[۱]

قرآنِ حکیم میں رسول اللہ کی دعوت یہ مذکور ہے۔

یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم پ۳ — اے اہل کتاب تم اختلاف و نزاع کو چھوڑ کر اس بات کی طرف آجاؤ جو سب میں مشترک ہے۔

غلامی اسلامی مزاج کے خلاف ہے جن لوگوں نے اسلامی معاشرہ کا تحقیق و بصیرت کی روشنی میں مطالعہ کیا ہے وہ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ اسلام ایک لمحہ کے لئے اس کو برداشت کرنے کے واسطے تیار نہیں اس کے باوجود رسول اللہ نے ابتداء میں رواجِ غلامی کے منسوخ ہونے کا حکم نہیں صادر فرمایا اگرچہ ضمنی طور پر خاتمہ کی بہت سی شکلیں بتائیں۔ اور غلاموں کو اتنا زیادہ بلند کر دیا کہ غلامی آقائی میں تبدیل ہو گئی۔

اگر رسول اللہ ابتداء میں منسوخ فرما دیتے تو سماجی زندگی مختل ہو جاتی اور انسانوں کا ایک بڑا طبقہ کیڑے مکوڑوں کی طرح زندگی گذارنے پر مجبور ہو جاتا نہ کھانے پینے کا کوئی سہارا ہوتا اور نہ رہنے سہنے کا کوئی بندوبست[۲]

قرآنِ حکیم میں قانون کی صلاحیت کا تذکرہ اور لفظ حکم کی تشریح

حاصل یہ کہ قانون میں ایسی صلاحیت ہونی چاہیئے کہ بدلے ہوئے حالات کے نشیب و فراز اور قومی مزاج کو سمجھ کر اپنا مقام متعین کر سکیں اور صحیح راہ عمل تلاش کر کے تحریک کو آگے لے جاسکیں۔

---

[۱] مسلم ج ا ص ۴۲۹ [۲] نووی ج ا ص ۴۲۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن حکیم نے اس قسم کی صلاحیت کو تین لفظوں سے ادا کیا ہے (۱) حکم (۲) حکمت اور (۳) علم تاویل الاحادیث ۔ محل اور موقف کے لحاظ سے ان تینوں کے مختلف درجے اور مرتبے ہیں انبیاء علیہم السلام میں یہ تینوں کامل ترین اور اعلیٰ ترین درجہ پر پائے جاتے ہیں اور قائدین میں اُس سے کمتر درجہ پر ۔ ائمہ لغت اور مفسرین کی تصریحات کے مطابق ہر ایک کی تشریحات حسب ذیل ہے ۔

(۱) حکم ۔ قرآن حکیم میں ہے ۔

مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ کُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰکِنْ کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ ۳/۴

کسی انسان کو یہ بات سزاوار نہیں کہ اللہ اسے کتاب حکم اور نبوت عطا فرمائے اور پھر اس کا شیوہ یہ ہو کہ لوگوں سے کہے خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ بلکہ چاہیئے کہ ربانی انسانی بنو

امام راغب اصفہانی کہتے ہیں ۔

والحکم بالشیٔ ان تقضی بالشیٔ بانه کذا او لیس کذا سواء الزمت ذلک غیرہ او لم تلزمه [۱]

کسی شی پر حکم کرنے کا مطلب یہ فیصلہ کرنا ہے کہ یہ شی ایسی ہے یا ایسی نہیں ہے اس سے بحث نہیں کہ دوسرے کو اس فیصلہ کا پابند کر سکو یا نہ کر سکو ۔

عربی لغت کی مشہور کتاب لسان العرب میں ہے

الحکم العلم والفقه والقضاء بالعدل [۲]

حکم کے معنی علم ۔ سمجھ بوجھ اور منصفانہ فیصلہ کرنا ۔

مفسرین نے حکم کی تفسیر ۔ سمجھ بوجھ قوتِ فیصلہ حکمت وغیرہ الفاظ سے کی ہے [۳] ۔ آیت

---

[۱] مفردات القرآن ص ۱۲۶ [۲] لسان العرب ج ۱۵ از سیرۃ النبی ج ۴ [۳] ملاحظہ ہو تفسیر خازن و مدارک و حسینی و جلالین وغیرہ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے برائے وقوع سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ کیوں کہ مذکورہ آیت میں تین چیزوں کا ذکر ہے (۱) کتاب (۲) حکم اور (۳) نبوت۔ بشر سے مراد یا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں صورتوں میں حکم کے معنی حکومت اور سلطنت کے نہیں ہو سکتے ہیں کیوں کہ حضرت عیسیٰؑ کو تو حکومت کا شائبہ بھی نہیں ملا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نزول آیت کے زمانہ تک حکومت نہیں ملی تھی۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی ہے جب کہ اسلام کمزور و ناتواں تھا اور یہودیوں کی پوری قوت مدینہ کے اطراف میں موجود تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں حکم سے مراد کتاب اور نبوت ہی کی جنس سے کوئی چیز ہو سکتی ہے اور وہ وہی ہے جس کی تفصیل اوپر گذر چکی۔ مذکورہ آیت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ انبیاء کی دعوت ربانی انسان بننے کی طرف ہوتی ہے اس سے قائدین کی دعوت و تبلیغ کا مقام متعین ہوتا ہے۔ ربانی انسان وہ ہے جو اللہ کی صفات کے ساتھ متصف ہو، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ رسول اللہ نے فرمایا تھا تخلقوا باخلاق الرحمٰن۔

حکمت کی تشریح اور اس سے صلاحیت پر استدلال

(۲) حکمت۔ قرآن حکیم میں تقریباً سبھی انبیاء علیہم السلام کے تذکرہ میں حکمت کا لفظ آیا ہے اور اس بات کا کہ حکمت دوسرے انسانوں کو بھی ملتی ہے مثلاً

یوتی الحکمۃ من یشاء ومن — اللہ جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور

یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا ۲/۲۶۹ — جس کو حکمت کی دولت مل گئی اس کو بڑی دولت (بھلائی) دی گئی۔

حکمت کی تشریح یہ ہے۔ یعنی حکمت ملنے سے انبیاء اور رسل کی خلافت عطا ہوئی یہ سب سے بڑی دولت ہے۔

امام راغب اصفہانی کہتے ہیں

والحکمۃ اصابۃ الحق بالعلم — علم اور عقل کے ذریعہ سچی اور صحیح بات کو پہنچنا

© rasailojaraid.com